رہتے ہیں ان ہی سے ایک روز جزا کے وقوع پر دلیل قائم کی ہے۔ کیونکہ قانون جزا و سزا کی اتنی نشانیاں اور دلیلیں ان کے اندر نمایاں ہیں کہ کوئی عاقل ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ یہ خدا کی پروردگاری، اس کی قدرت، اس کی حکمت اور اس کی تدبیر کی گواہی دیتی ہیں اور واضح کرتی ہیں کہ وہ اپنے بندوں سے غافل نہیں ہے، بلکہ اس کے انعام کی بخششیں اور اس کے عذاب کے تازیانے آئے دن ان کے لیے نمودار ہوتے ہیں۔

پس جب یہ سب کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اور ہم اپنی آنکھوں سے یہ عجائب روز دیکھ رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایک دن ایسا نہ آئے جس میں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے۔

قرآن مجید میں روز قیامت کی جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں وہ تمام تر ایسی ہیں جو ہواؤں کے فعل سے مشابہت رکھتی ہیں مثلاً ہوائیں نشانات کو مٹا دیتی ہیں، آثار کو دبا دیتی ہیں، بادلوں کو اڑا لے جاتی ہیں، اور جب تیز ہو جاتی ہیں تو ان کے زور سے دیواریں ڈھے جاتی ہیں، چھتیں اُڑ جاتی ہیں، عالی شان عمارتیں پارہ پارہ ہو جاتی ہیں۔

یہ ہمارے آئے دن کے مشاہدات ہیں۔ قرآن مجید نے ان کی طرف اسی مقصد سے اشارہ کیا ہے کہ جو شخص ان کو سمجھ جائے گا وہ ایک ایسے دن کے ظہور کے متعلق شبہ میں نہیں رہ سکتا جس دن ستارے چھپ جائیں گے، آسمان کھل جائیں گے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے کیونکہ ہواؤں کے عجائب و تصرفات میں ان کی نشانیاں موجود ہیں اور پوری طرح واضح ہیں[1]۔

---

[1] اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو سورہ مرسلات کی ابتدائی پندرہ آیات۔

رسالہ فی اصلاح النّاس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصلاح اور نماز

[یہ مضمون علامہ حمید الدین فراہیؒ کے "رسالۃ فی اصلاح الناس" کا اردو ترجمہ ہے جو مولانا امین احسن اصلاحی کے قلم سے "الاصلاح" میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ نماز، قربانی اور جہاد سے متعلق جو مضامین ہیں وہ علامہ کے تفسیری اجزاء اور ان کی دیگر تالیفات سے ماخوذ ہیں۔]

۱۔ جس طرح بیماریوں کے علاج میں ضروری ہے کہ اولاً مرض اور اسباب مرض کی تشخیص کی جائے اور جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے پہلے اس کی طرف توجہ کی جائے۔ اسی طرح کسی قوم کی اصلاح میں سب سے پہلے خرابیوں کے اسباب اور اصل مرض کا سراغ لگانا چاہیے۔ اس کے بعد اگر پیش نظر دینی اصلاح ہے، کتاب و سنت پر غور کرنا چاہیے۔ دینی اصلاح کی راہ یہی ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح فرمائی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلاح و دعوت کی صحیح راہ بتا دی، پھر ہم کو حکم دیا کہ ہم آپ کے نقش قدم کی پیروی کریں۔ اصلاح و دعوت کی تمام راہیں کتاب الٰہی میں موجود ہیں اور پیغمبر صلی اللہ نے اپنے قول و عمل سے وہ تمام راہیں ہمارے لیے کھول دی ہیں۔

پس کسی مصلح کے لیے یہ بات جائز نہیں ہو سکتی کہ وہ اس اہم کام میں کتاب و سنت کی رہنمائی سے بے پرواہ ہو کر تنہا اپنی رائے پر بھروسہ کرے، جو شخص ایسا کرے گا وہ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہوگا اور اس کی کوشش اصلاح سے زیادہ فساد کا باعث

ہو گی۔ میں نے اس مسئلہ پر ایک زمانہ تک غور کیا ہے اور کتاب و سُنّت کی روشنی میں جن نتائج تک پہنچا ہوں چند لفظوں میں ان کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

۲۔ ایک مصلح کا فرض صرف اس قدر ہے کہ وہ اصلاح کی دعوت دیدے' لوگ اس کو قبول کرتے ہیں یا نہیں اس سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اپنے دلوں کی خرابی کی وجہ سے نیکی کی دعوت پر کان نہیں دھرتے، فرعون کے ساتھیوں اور یہودیوں نے جان بوجھ کر دعوت حق سے اعراض کیا، پس کسی مصلح کی دعوت کی صحت اور سچائی کا معیار کامیابی نہیں، اس کا فرض صرف اس قدر ہے کہ جس بات کی سچائی اللہ تعالےٰ نے اس پر کھول دی ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہے، اندھیرے میں چلنے والوں کی طرح قدم قدم پر لڑکھڑائے نہیں۔

۳۔ افراد اور جماعتیں دونوں کے امراض کبھی مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مختلف جماعتیں اپنی عقلی اور خلقی حیثیات میں ایک دوسری سے بالکل مختلف حالت میں ہوتی ہیں، مصلح کا فرض ہے کہ ان کو مخاطب کرتے وقت ان کے تفاوت حالات کو نظر انداز نہ کرے، اگرچہ راہ اصلاح کی منزلیں متعین ہیں، تاہم رعایت حالات ناگزیر ہے' یہی راز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کو بعض خاص امور کا حکم دیا، اور بعض اوقات ایسا ہوا کہ ان کے حسن نیت کا اندازہ کر لینے کے بعد بعض معاملات میں ان کے طرز عمل کے اختلاف کو نظر انداز فرمایا۔

۴۔ اعمال کی بنیاد عقائد پر ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ عقائد میں متفق ہونے کے باوجود لوگوں کے اعمال میں تفاوت ہو جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ علم اور عمل کے درمیان کچھ وسائط ہیں، علم اور عقیدہ بعض اوقات فراموش ہو جاتا ہے اور فراموش ہو کر کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ دل کی گہرائیوں میں کسی کونے میں موجود رہتا ہے' اور کبھی اس قدر چھپ جاتا ہے کہ گویا بالکل نابود ہو جاتا ہے' ایسی حالت میں تذکیر کی ضرورت ہے، پے بہ پے تذکر' ارادہ کو متحرک اور حالت کو بیدار کر دیتا ہے بالکل اس طرح جس طرح مصائب کی یاد تم میں غم کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے، اسی لیے قرآن مجید میں تذکیر بہت

ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے:

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ۔ (سورہ ذاریات ۵۵)

اور یاد دہانی کرو، یاد دہانی ایمان والوں کو نفع پہونچائے گی۔

تذکر کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے نفع و نقصان کا اس طرح تصور کرے کہ وہ بالکل نگاہ کے سامنے ممثل ہو جائیں اور ایسی چیزوں کو یاد کرے جو اس میں ایک کیفیت و حالت پیدا کر دیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کے انعامات، اس کی عظمت و جلالت' اپنے ندامت انگیز معاصی' پس دوسری چیز گویا حالت و کیفیت کا پیدا کرنا ہے، اور یہ چیز نہایت اہم ہے۔ بعض اوقات تذکیر کسی غافل اور مدہوش اور شکی دل سے ٹکرا کر واپس ہو جاتی ہے اور اندر گھسنے کی راہ نہیں پاتی' اس لیے ضروری ہے کہ غفلت و قساوت اور شک کے اسباب دور کیے جائیں تا کہ قلب اثر پذیر ہو سکے، اس کے بعد ترویض قلب کا درجہ ہے یعنی اس کو ایسا بنایا جائے کہ پیدا شدہ کیفیت باقی رہ سکے۔

قرآن مجید نے صلاحیت قلب کی علامات کی طرف بعض مقامات میں اشارہ کیا ہے، مثلاً:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ۔ (سورہ زمر ۲۳)

جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اس (کے سننے) سے ان کے بدن کانپ اٹھتے ہیں، پھر ان کے جسم اور دل نرم ہو کر یادِ الٰہی کی طرف (راغب) ہوتے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ

حقیقی مومن وہی ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا نام آتا ہے' ان کے دل کانپ جاتے ہیں' اور جب ان کو اللہ کی آیتیں سنائی جاتی ہیں ان کے

اِیْمَانًا ۔ (سورہ انفال ۲) ایمان میں افزونی ہوتی ہے ۔

پس اصلی چیز قلب کی اصلاح و درستی ہے ۔

۵۔ میں نے یہ جاننے کے لیے کہ اصلاح قلب کی راہ میں پہلا قدم کیا ہے، بارہا کتاب و سنت پر غور کیا، بعض مرتبہ مجھے خیال ہوا کہ اس سوال کا جواب آیت ذیل سے مل سکتا ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی
وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ
بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ
لِلْیُسْرٰی ۔ (سورہ واللیل ۵۔۷)

تو جس نے (راہِ خدا میں) دیا اور
پرہیزگاری اختیار کیا، اور اچھی بات
(دین اسلام) کو سچ سمجھا تو ہم آسانی کی
جگہ (یعنی بہشت میں پہنچنے) کا راستہ،
اس کے لیے آسان کر دیں گے ۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی توفیق کس طرح حاصل ہوتی ہے، نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصلی حجاب مال و اولاد کی محبّت ہے، بخل و بزدلی کی تمام بُرائیاں اسی سے پیدا ہوتی ہیں، اور تمام اعمال صالحہ کی جڑ اور تمام معاصی سے روکنے والی چیز تقویٰ ہے، اور تصدیق حسنیٰ سے آدمی پر آخرت کی تیاریوں کی راہیں کھُلتی ہیں ۔

اس کے بعد مجھ پر ایک اور اہم حقیقت آشکارا ہوئی، اور دلائل نے اس کی تائید کی ۔ وہ یہ کہ یہ نماز پہلی اور آخری دوا ہے، چنانچہ اللّٰہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نماز کا حکم دیا اور نماز کی حقیقت، ذکر اور تبتّل بتائی، اور نماز کی جس قدر تاکید کی، ایمان کے بعد اس قدر تاکید کسی عملِ صالح کی نہیں کی ۔ پھر یہ نکتہ بھی پیش نظر رہنا چاہیئے کہ ذکر ہی سے قلب میں کیفیت و حالت پیدا ہوتی ہے اور قرآن کی تلاوت ہی سے دل زندہ ہو سکتا ہے کیونکہ قرآن مجید ہی روشنی اور شفا ہے، اور قرآن مجید کی تلاوت کا سب سے زیادہ موزوں وقت نماز ہے ۔ کتاب و سنت سے اس کی تائید ہوتی ہے، پھر نماز کی اصلی روح خشوع ہے جو تقویٰ، شکر اور توحید و توکّل کی جڑ ہے ۔ نماز، ہدایت اور توفیق کی دعا ہے ۔ نماز فحشاء اور منکر سے روکنے والی ہے، بلکہ وہ جس قدر صحیح،

باقاعدہ، زیادہ اور خالص ہوتی جائے گی، اسی قدر اس کی تاثیرات بڑھتی جائے گی ۔

ان باتوں نے مجھ پر یہ حقیقت کھول دی ہے کہ اصلاح کی راہ میں پہلا قدم نماز ہے ۔ آیت تیسیر جو اوپر گذر چکی ہے، تصحیح نماز کی طرف رہبری کرتی ہے ۔ نمازی پر جو کیفیات طاری ہونی چاہئیں ان کا خلاصہ تین چیزیں ہیں: صدقہ، تقویٰ اور عاقبت حسنیٰ کا یقین ۔ پس جو شخص اصلاح اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ارادے سے اٹھے اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے نفس کو نماز اور خشوع کے ذریعہ جانچ کر درست کر لے، اور یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جب تک کسی شخص کی نماز درست نہ ہو گی اس وقت تک اس کے نفس کی اصلاح نہیں ہو سکتی ۔

۶۔ اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ مصلح کے لیے عمل اصلاح کے آغاز سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح ضروری ہے ۔ اس کا راستہ یہ ہے کہ آدمی خدا کی راہ میں خرچ کرے، تقویٰ اختیار کرے، مُتقین کے لیے اللّٰہ تعالیٰ کا جو وعدہ ہے اس کا یقین رکھے اور ایسی نماز پڑھے جو خشیت و شوق سے لبریز ہو ۔ وہ صحیح نماز جس کا بیان سورۂ مومنون میں ہے اس میں وہ تمام باتیں بیان کر دی گئی ہیں جو نماز سے پہلے، نماز کے اندر، اور نماز کے بعد ضروری ہیں اور ایک سے زیادہ آیات میں اس چیز کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے جو نماز کی روح ہے یعنی ذکر و انابت، اور احادیث میں ذکر کے معنی بھی بتا دیے گئے کہ بندہ خدا کی اس طرح عبادت کرے گویا اس کو دیکھ رہا ہے ۔

۷۔ تقویٰ ایک جامع لفظ ہے یہ تمسک بالکتاب کے ہم معنی ہے اور تمسک بالکتاب، جیسا کہ قرآن مجید میں تصریح ہے، اتباع سنت کو شامل ہے ۔ ان مقدمات کی توضیح دوسری جگہ ہو چکی ہے ۔ پس میرے نزدیک مصلح کے لیے کتاب و سنت کا تمسک اور نماز کی تصحیح ضروری ہے، اور نماز کی تصحیح اس کے شرائط کے بغیر ناممکن ہے ۔

اس تفصیل کے بعد آیت ذیل کا مطلب آپ بآسانی سمجھ سکتے ہو جو طریق اصلاح کی طرف رہبری کر رہی ہے:

وَالَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ
وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ اِنَّا لَا نُضِیْعُ
اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ۔ (اعراف ۱۷۰)

جو کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں، اور
نماز قائم کرتے ہیں بے شک ہم مصلحین
کا اجر ضائع نہیں کرتے ۔

نماز

● "صلوٰۃ" (نماز) کا اصل مفہوم: الإقبال إلى الشيء (کسی شے کی طرف بڑھنا اور لپکنا) ہے۔ یہی مفہوم رکوع، تعظیم، تضرع اور دعا کا بھی ہے۔ یہ کلمہ نماز و عبادت کے لیے قدیم زمانہ سے مستعمل ہے۔ کلدانی میں دعا اور تضرع کے لیے اور عبرانی میں نماز اور رکوع کے لیے آیا ہے۔

● نماز دین کے اوّلین احکام میں سے ہے بلکہ دین کی بنیاد ہی نماز پر ہے۔ اور نماز کی حقیقت اللہ کے نام کی یاد ہے، جیسا کہ فرمایا ہے:

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ (سورہ اعلیٰ ۱۵)	اور اپنے رب کے نام کو یاد کیا سو نماز پڑھی۔

دوسری جگہ ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔ (سورہ مزمل ۸)	اور یاد کر اپنے رب کے نام کو اور اسی کی طرف یکسو ہو۔

"تبتل إليه" (اسی طرف یکسو ہو) یعنی اس کی نماز پڑھ، جیسا کہ سیاق سے واضح ہے۔ کسی شے کا نام اس کی یاد کا واسطہ ہوا کرتا ہے۔ پس اللہ کے نام کی یاد ہی درحقیقت اللہ کی یاد ہے اور یہی چیز نماز کی روح ہے۔ اسی وجہ سے جب نماز کو اس کی کامل صورت کے ساتھ ادا کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم ذکر اللہ کو قائم رکھنے کا حکم ہوا اور امن و اطمینان کی حالت میں بھی اس کی تاکید فرمائی گئی تاکہ یہ حقیقت واضح رہے کہ نماز کی اساس یہی چیز ہے، چنانچہ فرمایا:

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔ (سورہ بقرہ ۲۳۹)	پھر اگر تم کو خطرہ لاحق ہو تو پیادہ یا سوار جس حالت میں بھی ہو پڑھ لیا کرو، اور جب تم کو اطمینان ہو جائے تو خدا کی یاد اس طرح کرو (یعنی نماز پڑھو) جس طرح تم کو سکھلایا ہے جو کہ تم نہیں جانتے تھے (یعنی نماز کی کامل صورت)۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شروع ہی میں اس حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا تھا:

إِنَّنِي أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي۔ (سورہ طٰہٰ ۱۴)	میں ہی اللہ ہوں، نہیں ہے کوئی معبود مگر میں۔ پس میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

سورہ اعراف میں فرمایا:

وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ۔ (۱۷۰)	اور جو کتاب کو مضبوطی سے تھامتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔

● نماز شریعت کا اوّلین حکم، توحید کا مظہر اور اس کی گواہی ہے۔ ذیل کی آیت میں دیکھیے کہ توحید کی دعوت کے بعد نماز کا حکم دیا، فرمایا ہے:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا۔ (سورہ بنی اسرائیل ۱۱۱)	اور کہو شکر کا سزاوار اللہ ہے جس کے نہ کوئی اولاد اور نہ جس کی بادشاہی میں کوئی اس کا شریک اور نہ جس کو ذلت سے بچانے کے لیے کسی مددگار کی حاجت۔ بڑائی بیان کر اس کی جیسا کہ اس کا حق ہے۔

● نماز اس عہد کی یاد دہانی ہے جو ہم نے خدا سے خالص اسی کی عبادت کے لیے کر رکھا ہے۔ تخلیق کی اصل یہی ہے کہ خالق کی عبادت کی جائے۔ اسی لیے خدا کی تمام مخلوقات اس کی عبادت میں مصروف ہیں۔ نماز اسی عبادت کا مغز ہے اور اس کی تعبیر تسبیح

کے لفظ سے کی جاتی ہے۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری کائنات تسبیح میں مصروف ہے یعنی اپنی اپنی نماز کی ادائیگی کرتی ہے، چنانچہ فرمایا:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ۔ (سورہ بنی اسرائیل ۴۴)

ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی شے ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو۔

دوسری جگہ فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ۔ (سورہ نور ۴۱)

نہیں دیکھتے کہ جو آسمان اور زمین میں ہیں سب اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں اور چڑیاں قطار در قطار، ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح سیکھ رکھی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز تمام مخلوقات الٰہی کی فطرت ہے۔

● نماز کا حکم خدا کے ساتھ ہمارے اس عہد کا بھی ایک تقاضا ہے جس کے تحت ہمیں اس کے ذکر میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس عہد کا ذکر قرآن مجید میں یوں ہوا:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ۔ (سورہ بقرہ ۱۵۲)

سو تم مجھے یاد رکھو، میں تمھیں یاد رکھوں گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا۔ (سورہ احزاب ۴۱-۴۳)

اے ایمان والو! اللہ کو بہت زیادہ یاد کیا کرو اور اس کی تسبیح کرو صبح و شام۔ وہی ہے جو تم پر اپنی رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی، تاکہ وہ تم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔ اور وہ مومنوں پر نہایت مہربان ہے۔

یعنی جس طرح تم اس کی یاد کرتے ہو اور اس کی تسبیح پڑھتے ہو اسی طرح وہ اس کے ملائکہ تم پر رحمت بھیجتے ہیں جس سے تمھاری روشنی بڑھتی ہے۔

اس امت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا عہد نماز کے ذریعہ سے قائم ہے۔ جب تک ہم نماز پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں گے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا رشتہ مضبوط رہے گا۔ اس وقت تک ہم اپنے دشمنوں پر غلبہ پائیں گے اور اس دشمن ازلی (شیطان) سے بھی مامون رہیں گے جو ہمارے اپنے پہلو میں موجود ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اجمالاً و تصریحاً اس کا وعدہ کیا گیا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ (سورہ عنکبوت ۴۵)

نماز بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے۔

اور ترک نماز کی وجہ سے بعض ملتوں کی گمراہی کا ذکر ان لفظوں میں ہوا ہے:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا۔ (سورہ مریم ۵۶)

ان کے بعد ان کے ایسے جانشین آئے جنھوں نے نماز ضائع کر دی اور شہوتوں کے پیچھے لگ گئے، وہ بہت جلد اپنی گمراہی سے دوچار ہوں گے۔

یہ آیت انبیاء کرام اور ان کی انعام یافتہ جماعت کے ذکر کے بعد آئی ہے جس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ نماز کا ترک اللہ تعالیٰ کی مُنعَم علیہم جماعت سے نکل جانے کے مترادف ہے۔

● نماز رب واحد کا شکر ہے۔ بندہ اپنی دعا میں اگر خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک کرے تو یہ کفر ہے۔ اسی طرح اگر نماز ترک کر دی جائے اور خدا کے ذکر سے منھ موڑ لیا جائے تو یہ بھی کفر ہے۔ بعض جگہ قرآن مجید میں نماز کی تعبیر ہی شکر کے لفظ سے کی گئی ہے، مثلاً:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۔ (سورہ بقرہ ۱۵۲)

سو تم مجھے یاد رکھو میں تمھیں یاد رکھوں گا۔ میری شکر گذاری کرتے رہنا، ناشکری نہ کرنا۔

شکر خاص طور پر ہمارے اوپر اس لیے واجب ہے کہ خدا ہی نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔ اس موقع پر شیطان نے جو کردار ادا کیا وہ یہ تھا کہ اس نے تکبّر اور خودپسندی کی بنا پر خدا کا حکم نہ مانا اور آدم کو سجدہ نہ کیا۔ اب ہم نماز کو ترک کر دیں تو ہمارا یہ کفر شیطان کے کفر سے تین لحاظ سے زیادہ ہوگا۔ ایک اس لیے کہ نماز ہی ہماری فطرت ہے۔ دوسرے اس لیے کہ ہم نے خدا سے اس کی عبادت کرنے کا عہد کر رکھا ہے۔ اور تیسرے اس لیے کہ خدا کا شکر ادا کرنا ہمارے اوپر اس لیے واجب ہے کہ اس نے ہمیں فرشتوں سے سجدہ کروایا۔

نماز کی مناسبتیں

ایک ہی شے کے مختلف پہلو ہوتے ہیں، ایک پہلو سے وہ کسی چیز سے مناسبت رکھتی ہے اور دوسرے پہلو سے کسی چیز سے۔ مثلاً دیکھیے نماز اور حج میں کتنی مناسبتیں ہیں:

دونوں ذکر الٰہی کی صورتیں ہیں۔

دونوں بدنی عبادتیں ہیں۔

دونوں بیت اللہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ طواف نماز ہے۔

نماز میں اتنی مناسبتیں توجہ کے ساتھ تھیں۔ اب روزہ کے ساتھ نماز کی مناسبتوں پر غور کیجیے:

دونوں کسی مخصوص جگہ کی قید سے آزاد ہیں۔

دونوں کی بنیاد صبر پر ہے۔ یہاں تک کہ پہلے ادیان میں سکوت بھی روزہ کے شرائط میں شامل تھا۔ اس اعتبار سے گویا نماز نفس کا باطنی روزہ ہے۔

پھر نماز کی مناسبت زکوٰۃ کے ساتھ دیکھیں: دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں، دونوں ایک دوسرے سے کمال کو پہنچتی ہیں۔ دونوں ایک ہی جڑ سے پھوٹی ہیں۔ نماز کی حقیقت بندہ کا خدا کی طرف محبّت اور خشیت سے مائل ہونا ہے اور زکوٰۃ کی حقیقت

بندہ کا بندہ کی طرف محبّت اور شفقت سے مائل ہونا ہے۔ پس کمال سعادت کے لیے دونوں لازم ٹھہریں اور ان دونوں کی روح محبّت ہے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود دین کی حقیقت بھی محبّت، گداز باطنی اور لطافت احساس ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام صفات میں رحمت کو مقدم کیا اور فرمایا:

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ۔ (اعراف ۱۵۶) میری رحمت ہر چیز کو حاوی ہے۔

ظاہر ہے کہ دین کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا عکس اس کے بندوں میں نظر آئے۔ اسی چیز کی وجہ سے انسان خدا کی خلافت سے سرفراز ہوا ہے۔

پس نماز کی مناسبتوں پر غور کرنے سے ہم کو دین کی اصل اور تمام شرائع کی روح کا سُراغ لگ گیا۔ یہی حقیقت تورات اور انجیل سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے توحید میں اخلاص اور مخلوق کے ساتھ احسان کی وصیت کے بعد فرمایا: "ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں" (مرقس ۱۲: ۲۹-۳۱) اور جب ان سے پوچھا گیا کہ توریت کے احکام میں سب سے اعلیٰ حکم کیا ہے؟ تو فرمایا:

"اپنے خدا کی اپنے سارے دل، اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے اور دوسرا اسی کی مانند ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبّت رکھ۔ انھیں دو حکموں پر تمام توریت اور انبیاء کے صحیفوں کا مدار ہے۔"

(متی ۲۲: ۳۷-۴۰)

نماز اور قربانی میں مناسبت

نماز اور قربانی میں بہت سے پہلو ہیں جن کی طرف قرآن نے اشارے کیے ہیں۔ اس جگہ ہم ان دونوں کے صرف ان پہلوؤں کا تذکرہ کریں گے جن سے ان کی باہمی مناسبت واضح ہو:

۱۔ نماز اور قربانی میں اسی طرح کی مناسبت ہے، جس طرح کی مناسبت ایمان اور

اسلام میں ہے۔

یہ اجمال ہے، اس کی تفصیل سے پہلے ایک مختصر تمہید سن لینی چاہیے۔

دین کی بنیاد علم اور عمل کی صحت پر ہے۔ علم یہ ہے کہ ہم اپنے رب کو پہچانیں، اس کے ساتھ اپنے تعلق کو جانیں، اور پھر اس معرفت سے کبھی غافل نہ ہوں۔ اس علم سے لازماً محبت اور شکر کی ایک قلبی کیفیت و حالت پیدا ہوتی ہے۔ اسی قلبی کیفیت سے اعمال کا فیضان ہوتا ہے۔ اس طرح گویا علم و عمل میں وہی تعلق ہے جو اثر اور موثر اور ظاہر اور باطن میں ہوتا ہے۔ یعنی علم ایمان سے تعلق رکھتا ہے اور عمل اسلام سے۔!

پھر ایک دوسری حقیقت پر غور کیجیے۔ عمل جس طرح علم کا مقابل ہے، اسی طرح قول کا بھی مقابل ہے یعنی قول، علم و عمل کے بیچ کی کڑی ہے۔ قول، ارادہ کا اولین ظہور اور عمل کا عنوان و دیباچہ ہے۔ اس تمہید کی روشنی میں اب نماز اور قربانی کے باہمی تعلق پر غور کریں:

نماز ظاہر ہے کہ قول و اقرار ہے۔ یہ اُٹھنا، بیٹھنا، جُھکنا، سجدہ کرنا، ہاتھ اُٹھانا، انگلی سے اشارہ کرنا کیا ہے؟ یہ سب اداؤں کی زبان سے ہمارا قول و قرار ہے۔ یہ ایمان کے بعد، راہ اطاعت میں ہمارا پہلا قدم ہے۔ یہ اعمال کے دروازہ کی کلید ہے۔ اسی سبب سے یہ تمام شریعت کے دروازہ کا عنوان قرار دی گئی ہے۔ بہ کثرت آیات میں اس حقیقت کی طرف اشارات کیے گئے ہیں۔ مثلاً:

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ	جو غیب میں ایمان لاتے ہیں، اور
وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ۔ (بقرہ۔۳)	نماز قائم کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں اس حقیقت کی پوری تشریح ہے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو اس کی صفت توحید کے ساتھ پہچان لینے کے بعد فرمایا:

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ	میں نے ہر طرف سے کٹ کر اپنا رُخ
فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	اس ذات کی طرف کرلیا، جس نے
حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ	آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں

الْمُشْرِكِيْنَ۔ (سورہ انعام ۸۰)	مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

اس آیت میں جس توجہ الی اللہ کا ذکر ہے نماز اسی توجہ الی اللہ کی عملی تصویر ہے۔ اسی وجہ سے ہماری نمازوں کا عنوان یہی مبارک کلمہ قرار پایا۔ یہی حقیقت حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں بھی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو توحید کی معرفت بخشنے کے بعد فرمایا:

فَلَمَّا اَتٰهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى	پس جب وہ اس کے پاس آیا، ندا آئی
اِنِّيْ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ	اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں، پس
اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى	اپنے جوتے اُتار دو۔ تم وادیٔ مقدس
وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا	طویٰ میں ہو۔ اور میں نے تم کو برگزیدہ
يُوْحٰى اِنَّنِيْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ	کیا، پس جو کچھ وحی کی جائے اس پر
اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ	کان دھرو۔ میں ہی اللہ ہوں، میرے
الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔	سوا کوئی معبود نہیں۔ پس میری ہی عبادت
(طٰہٰ ۱۱-۱۲-۱۳-۱۴)	کرو اور میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو۔

ایک دوسرے مقام پر ابطالِ شرک کے بعد فرمایا:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ	اپنا رخ یکسو ہو کر دین الٰہی کی طرف
حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ	سیدھا کرو۔ یہی اللہ کی فطرت ہے،
فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ	جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔
لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ	اس میں فطرتِ الٰہی کی کوئی خلاف ورزی
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ	نہیں ہے۔ یہی فطرت کا سیدھا دین ہے،
لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ	لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اسی کی
وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ	طرف متوجہ ہو کر، اور اسی سے ڈرو
وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔	اور نماز قائم کرو، مشرکین میں سے
(روم ۳۰-۳۱)	نہ بنو۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تمام اعمال میں سے نماز، ایمان سے سب سے زیادہ

قریب، بلکہ ایمان کا اولین فیضان ہے۔ یہ بیک وقت توحید، انابت، شکر، توکل، اور تبتل الی اللہ ساری چیزوں کا مجموعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات کی فطرت ہے۔

اب قربانی کی حقیقت پر غور کیجیے، قربانی درحقیقت اسلام کی تصویر ہے۔

اسلام کا مفہوم، اطاعت، سرفگندگی اور نفس کو بالکلیہ مولیٰ کے حوالہ کر دینا ہے۔ نماز کی طرح یہ بھی بندوں کی فطرت ہے کیونکہ تمام مخلوق امر الٰہی کی اطاعت سے وجود میں آئی ہے، خدا نے کلمۂ "کُنْ" کے ذریعہ سے حکم دیا اور تمام مخلوق ابتدائے خلقت میں اس کلمہ کی اطاعت سے وجود میں آئی۔ اب اگر وہ خدا کی نافرمانی کرتی ہے تو اپنی فطرت کی خلاف ورزی کرتی ہے۔ اس اعتبار سے اسلام تمام کائنات کو محیط ہے۔

وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّإِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۔	آسمان اور زمین میں جو ہیں، سب طوعاً وکرہاً اسی کے سامنے سرفگندہ ہیں اور سب اسی کے پاس لوٹائے جائیں گے۔
(سورہ آل عمران ۸۳)	

یعنی بدءِ خلقت میں جس طرح تم نے اس کے حکم کی تعمیل کی، اسی طرح آخرت میں اس کے حکم پر دوڑو گے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ۔	جب وہ تم کو زمین سے نکلنے کے لیے ایک بار پکارے گا، تم دفعۃً نکل کھڑے ہوگے۔
(سورہ روم ۲۵)	

دوسری جگہ فرمایا:

فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيْلًا۔	اور تم اس کی حمد کے ساتھ اس کی پکار پر دوڑو گے اور گمان کرو گے کہ نہیں تم ٹھہرے مگر بہت کم۔
(سورہ بنی اسرائیل ۵۲)	

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اور تسبیح وسجدہ اور نماز دونوں عین فطرت اور باہم گر نہایت قریبی رشتہ دار ہیں۔

جب حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا امام، ان کی مسجد کو ہمارا قبلہ، اور ان کے طریقہ کو ہمارے لیے دستور العمل بنایا تو ایک واقعہ بیان کر کے ہمارے لیے قربانی کی حقیقت بھی آشکارا کر دی جس سے ضمناً نماز کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ فرمایا:

إِنِّيْ ذَاهِبٌ إِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ۔	میں اپنے پروردگار کی طرف جا رہا ہوں، وہ میری رہبری فرمائے گا (یعنی میں اپنے پروردگار کی ہجرت کرتا ہوں، وہ مجھ پر اپنی راہ کھولے گا)۔
رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔	اے پروردگار! مجھے صالحین میں سے بخش (یعنی اولاد صالح، تاکہ میں ان کو لے کر تیری راہ پر چلوں، اور لوگوں کے لیے حق وہدایت کی راہ کھلے)۔
فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ۔	پس ہم نے اس کو ایک حلیم لڑکے کی بشارت دی (یعنی حضرت اسمٰعیلؑ کی) اسمٰعیلؑ کے معنی ہیں "اللہ نے سنا" چونکہ ان کی ولادت ابراہیمؑ کی دعا کے مطابق ہوئی تھی، اس وجہ سے ان کا نام اسمٰعیل رکھا گیا۔
فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّيْ أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيْ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى۔	جب وہ اس عمر کو پہنچے کہ ان کے ساتھ دوڑ پھر سکیں۔ انھوں نے کہا، بیٹے! میں نے خواب میں یوں دیکھا کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں (یعنی اللہ کے لیے) اب تم بتاؤ تمھاری کیا رائے ہے؟

(یہ سوال اس لیے تھا کہ اطاعت میں فرمانبردار بیٹے کو بھی برابر کا شریک کر لیا

جائے، کیونکہ حضرت ابراہیمؑ ہمیشہ کے لیے تسلیم و اطاعتِ الٰہی کی ایک راہ کھول رہے تھے؛ اور چونکہ اطاعت شعار فرزند دعا ہائے سحر کی قبولیت کے نتیجہ کے طور پر عطا ہوا تھا۔ اس وجہ سے اس کا عاقل اور حلیم ہونا معلوم تھا۔ یہ اندیشہ نہ تھا کہ اس کو اس امتحان بندگی میں شرکت سے انکار ہوگا۔)

قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۔ انھوں نے جواب دیا، والد ماجد!
سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ۔ جو حکم ملا ہے اس کی تعمیل فرمائیے،
مِنَ الصّٰبِرِيْنَ۔ انشاء اللہ آپ مجھ کو ثابت قدموں
میں پائیں گے۔

(حضرت اسمٰعیلؑ سمجھ گئے کہ ان کو حکم الٰہی کی تعمیل میں ذبح کیا جا رہا ہے، اس وجہ سے انھوں نے وہ جواب دیا جو متوکلین کے شایانِ شان تھا۔)

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ ۔ پس جب دونوں امر الٰہی کے سامنے
لِلْجَبِيْنِ۔ جھک گئے اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو
ماتھے کے بل پچھاڑ دیا۔

(یعنی اس طرح دونوں نے اپنے کمالِ اطاعت و اسلام کو آشکارا کر دیا، کیونکہ باپ نے اس چیز کو قربان کرنے کا عزم کر لیا جو اس کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھی، اور بیٹے کی کل کائنات صرف اس کی جان ہی تھی۔)

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَدْ ۔ اور ہم نے اس کو پکارا اے ابراہیم!
صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ ۔ تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ بے شک
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ٥ اِنَّ هٰذَا ۔ ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی دیتے ہیں۔
لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ۔ بلاشبہ کھلی ہوئی جانچ یہی ہے۔

(اس اطاعت کا صلہ نے ان کو درجۂ احسان کی سرفرازی بخشی، اور یہی کمالِ اسلام ہے۔ اس امتحان کے بعد ان دونوں کو خدا نے قوموں کا امام اور ہادیوں کا رہبر بنایا۔)

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ۔ اور ہم نے اس کو بڑی قربانی کے

(سورہ صافات ۹۹ تا ۱۰۷) عوض چھڑا لیا۔

(یعنی اس قربانی کی یادگار میں قربانی کی ایک عالم گیر اور عظیم الشان سنت قائم کر دی، جو قربانی کرنے والوں کی مغفرت کا وسیلہ ہے۔)

اس سرگزشت میں خدا نے ہمارے سامنے یہ حقیقت کھولی ہے کہ اسلام کی روح خدا کی اطاعت اور اپنی عزیز سے عزیز متاع حتیٰ کہ جان کو بھی خدا کے حوالہ کر دینا ہے۔ اور یہ بات بغیر کامل ایمان و اخلاص کے پیدا نہیں ہو سکتی۔ پس گویا ان دونوں کا رتبۂ کمال مقام احسان ہے۔ احسان کی حقیقت یہ ہے کہ اَعْبُدْ رَبَّكَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ (اپنے رب کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو) اس سے معلوم ہوا کہ قربانی اور نماز میں وہی تعلق ہے جو تعلق ایمان و اسلام میں یا قول اور عمل میں ہے، اور احسان ان دونوں کا نقطۂ اتصال ہے۔

۲۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ نماز اور قربانی میں وہ نسبت ہے، جو نسبت زندگی اور موت میں ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نماز کی حقیقت یادِ الٰہی ہے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔ اور میری یاد کے لیے نماز قائم
(سورہ طٰہٰ ۔ ۱۴) کرو۔

دوسری جگہ ہے:

ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ اپنے رب کے نام کو یاد کیا، پس
(سورہ اعلیٰ ۔ ۱۵) نماز پڑھی۔

قرآن مجید میں اس مضمون کی آیتیں بہت ہیں، اور ذکر سے مقصود دوام ذکر الٰہی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا ۔ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں، کھڑے
وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔ (سورہ آل عمران ۱۹۱) اور بیٹھے اور لیٹے

یہی راز ہے کہ ہمارے دن کے تمام اوقات نمازوں سے گھیر دیئے گئے ہیں اور کسی حالت میں بھی اس سے معافی نہیں دی گئی ہے۔ نماز سانس کی طرح زندگی کے

لیے ناگزیر ہے۔ وہ حقیقی زندگی جو نور، سکینت اور ایمان کے الفاظ سے تعبیر کی گئی ہے، صرف اللہ کی یاد ہی سے باقی رہ سکتی ہے۔ خدا سے قرب حاصل کرنے کی راہ یہی ہے۔ اللہ سے قربت کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اس کو یاد رکھا جائے اور اس سے دوری کا مطلب یہ ہے کہ اس کی یاد سے غفلت ہو جائے (اعاذنا اللہ منہا) جب بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو اس سے قریب ہو جاتا ہے، جیسا کہ فرمایا ہے:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ (سورہ علق ۱۹)	سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ۔

اس وقت اللہ کی نظر رحمت اس کو نوازتی ہے، اس کا سینہ انوار و تجلیات الٰہی سے جگمگا اٹھتا ہے اور اس کی روح ذکر و فکر کی گہرائیوں میں جس قدر اترتی ہے، زندگی اور قوت کے لازوال خزانوں سے اسی قدر قریب تر ہوتی جاتی ہے۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں اسی حقیقت کی خبر دی گئی ہے:

مایزال العبد یتقرب	بندہ نوافل کی راہ سے میری طرف
الی بالنوافل حتی	بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس
احببتہ فاذا احببتہ	کو محبوب بنا لیتا ہوں۔ اور جب میں
کنت سمعہ الذی	اس کو محبوب بنا لیتا ہوں، تو اس کا
بہ یسمع و بصرہ	کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا
الذی بہ یبصر	ہے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس
و یدہ التی بہا	سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ بن
یبطش۔	جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔

یہ اسی روحانی زندگی کا بیان ہے، جو حقیقی اور واقعی زندگی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز حقیقی زندگی کا سرچشمہ اور اس حیاتِ سفلی سے نجات حاصل کرنے کا زینہ ہے۔

اب قربانی کی حقیقت پر غور کیجیے، اس کا اصلی مفہوم جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی سرگزشت سے ظاہر ہے نفس کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا ہے۔ یہ

تسلیم و اطاعت کے ایک عظیم الشان واقعہ کی یادگار ہے اور اس میں اس زبردست امتحان کی سرگزشت پنہاں ہے جس میں خدا نے ابراہیم خلیل کو ڈالا تھا۔ اہل ایمان، راہِ الٰہی میں اپنی جانیں قربان کر کے، اسی اطاعت و عبدیت کی یادگاریں قائم کرتے ہیں۔ پس جس طرح نماز اللہ کے ساتھ ہماری زندگی ہے، اسی طرح قربانی اس کی راہ میں ہماری موت ہے، اور یہی حقیقی دین اور حقیقی اسلام ہے۔ چنانچہ فرمایا:

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ	کہہ دو میرے رب نے مجھ کو صراط مستقیم
مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ	کی ہدایت بخشی۔ سیدھے دین، دین ابراہیم
حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۝	کی، جو صرف اللہ کا پرستار تھا اور مشرکین
قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ	میں سے نہ تھا۔ کہہ دو میری نماز، میری
وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔	قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ
(سورہ انعام ۱۶۱-۱۶۲)	رب العلمین کے لیے ہے۔

باتفاق تمام مفسرین اس آیت میں "نسک" سے مراد حج اور عمرہ میں قربانی کرنا ہے، لغت عرب سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ یہاں "صلوٰۃ" اور "نسک" کو ایک ساتھ رکھا ہے اور اس کے بعد علی الترتیب "محیا" اور "ممات" کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ نظم کلام توافق کے اصول پر ان دونوں کی حقیقت اور ان کے باہمی تعلق کو بے نقاب کر رہا ہے۔ یعنی نماز مسلم کی زندگی ہے اور اس کی قربانی راہِ الٰہی میں اس کی موت ہے۔ پھر غور کریں تو یہ دونوں بالکل ایک ہیں، کیونکہ یہ موت ہی حقیقی زندگی کا دروازہ ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ	جو اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں
اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ	ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن
لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (سورہ بقرہ-۱۵۴)	تم محسوس نہیں کرتے۔

۲۔ نماز اور قربانی "حقیقی قربانی" کے دو بازو ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو صاحب عقل و ارادہ اور خیر و شر میں تمیز کرنے والا بنایا، تو ایک طرف تو اس کو عظمت و رفعت کا وہ مقام بلند بخش دیا جس سے برتر اور بلند کوئی اور مقام

نہ تھا، دوسری طرف اس کو ذلّت وپستی کے اس کنارہ پر کھڑا کر دیا، جس سے بڑھ کر کوئی ذلّت وپستی نہ تھی۔ چنانچہ فرمایا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ۔ (سورہ تین ۴-۵-۶)

بے شک ہم نے آدمی کی ساخت اچھی سے اچھی بنائی۔ پھر ہم نے اسے ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں ڈال دیا، مگر جو کہ ایمان لائے اور بھلائیاں کیں، سو انھیں ہمیشہ کے لیے انعام ملے گا۔

نیز فرمایا:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۔ (سورہ شمس ۷-۸-۹-۱۰)

اور شاہد ہے نفس اور اس کی تشکیل، چنانچہ اس کو اس کی بدی اور نیکی الہام کی، جس نے اس کو سنوارا، اس نے فلاح پائی، جس نے اس کو خاک میں ملایا وہ نامراد ہوا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بندہ جب اس منعم حقیقی سے بے پروا ہو جاتا ہے تو جمالِ الٰہی کی روشنی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے، اور وہ باطل کے دامِ فریب میں پھنس کر اپنے آپ کو ہوائے نفس کے حوالے کر دیتا ہے اور یہی خواہشاتِ نفس اس کا معبود بن جاتی ہیں، جیسا کہ فرمایا:

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ۔ (سورہ جاثیہ ۲۳)

کیا وہ جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا ہے اور خدا نے اس کو علم دینے کے باوجود گمراہ کر دیا ہے۔

یعنی اس نے عقل اور آنکھ، کان سب کچھ پا کر گمراہی کی راہ اختیار کر لی ہے، جیسا کہ سورۂ دہر میں ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ

انسان کو ہم نے ملے جلے پانی سے پیدا

اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ۝ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ (سورہ دہر ۲-۳)

کیا آزمائش کے لیے۔ تو اسے سنتا دیکھتا بنایا۔ ہم نے اسے راہ بتا دی۔ کوئی قدر کرتا ہے اور کوئی نہیں۔

یعنی اگر وہ خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کو کام میں نہ لائے گا تو ناشکری کی راہ اختیار کرے گا۔

وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ (سورہ جاثیہ - ۲۳)

اور اس کے کان اور دل پر مہر کر دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے۔ پس اللہ کے بعد اس کو کون ہدایت کی راہ دکھلائے گا۔ تم لوگ سوچتے نہیں۔

یعنی جب اس نے خدا سے منہ پھیر لیا، اور نفس کا غلام بن گیا تو خدا نے اس کو اس کی خواہشوں کے حوالے کر دیا، جو اس کے قلب کے لیے حجاب بن گئی ہیں۔

كَلَّا بَلْ ٚ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ كَلَّاۤ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۔ (سورہ مطففین ۱۴-۱۵)

ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی سیاہی جم گئی ہے۔ ہرگز نہیں! وہ اس دن اپنے پروردگار کے دیدارِ جمال سے محروم ہوں گے۔

یعنی جس طرح وہ اس حیاتِ دنیوی میں خدا کے نورِ ایمان سے محروم تھے، اسی طرح حیاتِ اخروی میں اس کے دیدارِ جمال سے محروم ہوں گے۔ آدمی جو کچھ چاہتا ہے خدا کی طرف سے وہی اس کو ملتا ہے۔ جنھوں نے نفس اور شہواتِ نفس کی غلامی پسند کی، وہ نفس کے غلام بن گئے، اور قیامت کے دن اپنے نفس کی حقیقت سے دوچار ہوں گے جس کا بیان یوں کیا گیا ہے کہ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِیْمِ (پھر وہ جہنم میں داخل ہوں گے)۔

اس حالت کی وجہ سے انسان کے لیے ضروری ہوا کہ وہ نفس کے صنمِ اکبر کو توڑے اور نفس کی حقیقت پر جن لوگوں نے غور کیا ہے، ان کو معلوم ہے کہ نفس کے دو بازو ہیں۔ سبعیت اور بہیمیت۔ اس وجہ سے ضروری ہوا کہ انسان کو ان دونوں بازوؤں کے توڑنے کی تدبیر

بتائی جائے۔ اب ان دونوں کی تفصیلات پر غور کیجئے:

۱۔ اول یعنی سبعیت کے توڑنے کی تدبیر یہ ہے کہ اللہ کے حضور خشیت و تذلّل کے ساتھ نماز کی پابندی کی جائے۔ نفس کے کبر و نخوت کا سر صرف نماز ہی سے کچلا جاسکتا ہے۔ کیونکہ خشوع نماز کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے فرمایا گیا ہے:

قد افلح المومنون الذین هم فی صلاتهم خشعون۔ (سورہ مومنون ۱-۲)

بے شک ان ایمان والوں نے فلاح پائی، جو اپنی نمازوں میں خدا کے سامنے سرفگندہ ہیں۔

نیز فرمایا ہے:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ۔ (سورہ اعراف ۲۰۵-۲۰۶)

اپنے رب کو دل میں یاد کرو گڑگڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور پست آواز میں صبح اور شام، اور بے خبروں میں سے مت بنو۔ جو لوگ تمہارے رب کے پاس ہیں وہ اس کی بندگی سے ابا نہیں کرتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں، اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

دوسرے مقام پر ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا۔ (سورہ فرقان ۶۳-۶۴)

اور خدائے رحمٰن کے بندے وہ ہیں، جو زمین پر خاکساری کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب جاہل لوگ ان سے اُلجھتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام! اور جو اپنی راتیں خدا کے حضور سجدہ و قیام میں بسر کرتے ہیں۔

اس آیت پر غور کریں۔ اس میں نماز سے پہلے ان کی خاکساری کا تذکرہ کیا ہے کیونکہ

نماز کی حقیقت نفس کو نخوت سے پاک کرنا ہے۔ جو لوگ برابر ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور خدا کے جلال و جبروت اور اس کی نعمت و رحمت کی یاد تازہ رکھتے ہیں، ان کے چہروں سے تواضع اور محبت کا جمال ٹپکتا رہتا ہے۔

۲۔ دوسرے بازو یعنی بہیمیت کے توڑنے کی تدبیر یہ ہے کہ نفس اس دنیا کی جن مرغوبات میں لذّت پاتا ہے ان سے اس کو علیحدہ کیا جائے۔ اس کے تین درجے ہیں:

پہلا درجہ یہ ہے کہ خدا کی راہ میں جان قربان کی جائے۔ اس کا بلند ترین مقام لختِ جگر کی قربانی ہے۔ اس وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اکلوتے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کے حکم سے جانچا گیا، جو ان کی محبوب ترین اولاد تھے۔ ان کے محبوب ترین ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب فرشتہ نے حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی خوش خبری دی تو انھوں نے کہا "اسمٰعیل زندہ رہے" اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ کس قدر والہانہ محبت تھی۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ اطاعت الٰہی کی راہ میں مصائب و آلام جھیلے جائیں اور لذّات سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ کیونکہ زندگی کے بعد نفس کو سب سے زیادہ محبوب لذّات ہی ہیں۔ روزہ اس منزل میں بہترین رہبر ہے۔ مقام قربانی کے مدارج میں سے ضعفاءِ طریق کی پہنچ اسی حد تک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ سب سے بلند درجہ کے حصول کی راہ کیا ہے تو انھوں نے فرمایا یہ روزہ اور نماز سے حاصل ہوتا ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ مال کو، جو تمام لذّات کے حصول کا ذریعہ ہے، خدا کے راستہ میں خرچ کیا جائے۔ اس منزل میں رہبر زکوٰۃ ہے۔ متعینہ زکوٰۃ سے زیادہ خرچ کرنے میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جو چیز غرور کا سبب ہوتی ہے آدمی اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتا ہے، پھر چونکہ مقصود ذبح بہیمیت سے نفس کو ان چیزوں کی غلامی سے چھڑانا ہے جن کی لذتیں اس پر گھیرے ڈال رہی ہیں اس وجہ سے ضروری ہوا کہ خدا کی راہ میں وہ چیز خرچ کی جائے جو نفس کو محبوب ہو۔ چنانچہ اسی سبب سے فرمایا ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔

تم اس وقت تک وفاداری کا درجہ نہیں حاصل کر سکتے جب تک ان چیزوں میں سے نہ خرچ کرو، جو تمہیں محبوب ہیں۔ (سورہ آل عمران ۹۲)

یہ جو قربانی کے جانوروں کو فربہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس میں بھی یہی حکمت ہے اور حضرت ابراہیمؑ کو محبوب ترین اولاد کے ذبح کا حکم دے کر تو یہ حقیقت بالکل ہی آشکارا کر دی گئی ہے۔ نیز چونکہ قربانی کا حقیقی مرتبۂ کمال جان کی قربانی تھا، اس وجہ سے خون بہانا، اس کی اصل علامت قرار پایا۔ اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نماز اور قربانی اپنی حقیقت کے اعتبار سے ذبح نفس کے دو پہلو ہیں، ایک حدیث میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے:

قربان هٰذه الامة بدماءها وصلوٰتها۔

اس امت کی قربانی، بذل نفس اور نماز کے ذریعہ سے ہے۔

۴۔ نماز اور قربانی دونوں ایک دوسرے پر مشتمل ہیں۔ یعنی نماز ایک پہلو سے قربانی ہے، اور قربانی ایک دوسرے پہلو سے نماز ہے۔ نماز کا قربانی ہونا واضح ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ نماز بہیمیت کے ذبح کی ایک تدبیر ہے۔ نیز نفس کو مصائب کی برداشت اور لذتوں کے ترک کا خوگر بناتی ہے جو بہیمیت کا ذبح ہے۔ اس وجہ سے اس کی شرح وتفصیل کی ضرورت نہیں۔ البتہ قربانی کا نماز ہونا محتاج تفصیل ہے اور یہاں ہم اس پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ قربانی کی حقیقت راہِ الٰہی میں جان کی قربانی ہے، اس اعتبار سے ظاہر ہے کہ یہ ایک دوسری صورت میں بعینہٖ نماز ہے۔ نماز میں زبان اور اداؤں کے ذریعہ سے ایمان کا اقرار کیا جاتا ہے اور قربانی میں اسی ایمان کی تصدیق جان دے کر کی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے خدا کی راہ میں جان دینے کا نام شہادت ہوا۔ نیز قربانی میں کمال درجہ خضوع اور اطاعت ہے۔ اس وجہ سے یہ نماز کی اصلی روح۔ اقرار توحید اور خضوع۔ کی یہ سب سے زیادہ حامل ہے۔ علاوہ ازیں اس کے تمام آداب بھی اس کے

نماز ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ مثلاً:

ا۔ قربانی خانہ کعبہ کے پاس ہوتی ہے، جو مرکز نماز ہے۔

ب۔ اس کا آغاز بسم اللہ واللہ اکبر سے ہوتا ہے۔

ج۔ قربانی اور قربانی کرنے والے دونوں کا رُخ قبلہ کی طرف ہوتا ہے۔

د۔ اونٹوں کو کھڑے کر کے قربان کیا جاتا ہے، جس میں قیام نماز کی جھلک پائی جاتی ہے۔

ھ۔ مینڈھوں کو لٹا کر قربان کیا جاتا ہے جس کو سجدۂ نماز سے مشابہت ہے۔

پھر آغاز نماز کی دعا جو قرآن میں وارد ہے، یہ ہے اور یہی دعا قربانی کے وقت بھی پڑھی جاتی ہے:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ (سورہ انعام ۷۹)

میں نے ہر طرف سے کٹ کر اپنا رُخ اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

نیز:

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَهٗ۔ (سورہ انعام ۱۶۲-۱۶۳)

بے شک میری نماز میری قربانی، میری زندگی، میری موت اللہ رب العٰلمین کے لیے ہے، اس کا کوئی ساجھی نہیں ہے۔

قرآن مجید نے اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے۔ چنانچہ ابراہیمؑ کے واقعہ کے سلسلہ میں فرمایا:

فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ۔ (سورہ صافات ۱۰۳)

جب ان دونوں نے امر الٰہی کے سامنے اپنا سر جھکا دیا اور ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ کو پیشانی کے بل پچھاڑ دیا۔

یعنی ان کے ظاہر و باطن دونوں خدا کی طرف متوجہ ہو گئے، اور ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ کو سجدہ میں ڈال دیا۔

اسی طرح قربانی کے ذکر میں فرمایا:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ

اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے

شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا — لیے شعائر اللہ میں سے قرار دیا۔ ان میں
خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ — تمھارے لیے فوائد ہیں۔ پس ان پر اس
عَلَيْهَا صَوَافَّ۔ — حال میں کہ وہ صف بہ صف ہوں۔ اللہ
(سورۂ حج۔ ۳۶) — کا نام لو۔

یعنی جس طرح تم نمازوں میں صف بستہ کھڑے ہوتے ہو، اسی طرح وہ بھی ذبح کے وقت قطار میں کھڑے کیے جائیں۔

اسی طرح زکوٰۃ کے بیان میں جو قربانی ہی کے ذیل کی عبادت ہے، فرمایا ہے:

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ — اور وہ زکوٰۃ دیتے ہیں، درانحالیکہ
رٰكِعُوْنَ۔ (سورہ مائدہ ۵۵) — جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔

یعنی زکوٰۃ دیتے وقت ان کی ہیئت سے خشوع کا اظہار ہوتا ہے، وہ متکبر اور طالب شہرت اغنیاء کی طرح تن کر زکوٰۃ نہیں دیتے۔

۵۔ نماز اور قربانی دونوں ذکر الٰہی ہیں۔ نماز کا ذکر ہونا تو متعدد آیات سے واضح ہے۔ مثلاً:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔ — اور میری یاد کے لیے نماز
(سورہ طٰہٰ۔ ۱۴) — قائم کرو۔
وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ — اور اس نے اپنے رب کے نام کو
(سورہ اعلیٰ۔ ۱۵) — یاد کیا، پس نماز پڑھی۔

رہا قربانی کا ذکر ہونا تو یہ بھی قرآن سے ثابت ہے۔ فرمایا:

لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا — تاکہ اللہ کے نام کو یاد کریں، ان
رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ۔ (حج ۳۴) — چوپایوں پر جو اس نے ان کو بخشے ہیں۔
كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا — اسی طرح ان کو تمھارے لیے مسخر کیا
لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ — تاکہ تم اس ہدایت پر جو اللہ نے تم کو
عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ۔ — بخشی ہے، اس کی بڑائی کرو (یعنی

(سورۂ حج۔ ۳۷) — دین توحید اور اسلام کے دیے جانے پر)

اس سے ظاہر ہے کہ جس طرح تکبیر کے ذریعہ سے ہم نماز میں اللہ کی بڑائی بیان کرتے ہیں بعینہٖ اسی طرح قربانی کے وقت بھی کرتے ہیں۔

۶۔ یہ دونوں (نماز اور قربانی) شکر ہیں۔ نماز کا شکر ہونا تو بالکل ظاہر ہے، یہاں تک کہ بعض جگہ نماز کو تعبیر ہی شکر کے لفظ سے کر دیا گیا ہے:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ — پس مجھ کو یاد رکھو، میں تم کو یاد رکھوں گا،
وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۔ — اور میرا شکر کرتے رہو، ناشکری
(سورۂ بقرہ۔ ۱۵۲) — مت کرنا۔

سورۂ فاتحہ نماز کی جان ہے، اور معلوم ہے کہ اس سورہ کی بنیاد شکر ہی پر ہے۔

اب قربانی پر غور کیجیے۔ یہ بات بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور دنیا والوں سے بالکل مستغنی ہے۔ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ (وہ کھلاتا ہے لیکن کھاتا نہیں)، اس نے جو نعمتیں ہم کو بخشی ہیں، ان میں سے کچھ، ہم اس کی راہ میں محض اس حقیقت کا اعتراف کرنے کے لیے قربان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے، سب اسی کی ملکیت اور اسی کا انعام ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے قربانی کے وقت ہم یہ الفاظ کہتے ہیں:

مِنْكَ وَلَكَ۔ — تیری ہی بخشی ہوئی نعمت اور تیری ہی راہ میں۔

اسی وجہ سے فرمایا ہے:

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ — اسی طرح ہم نے ان کو مسخر کیا تاکہ
تَشْكُرُوْنَ۔ (سورۂ حج ۳۲) — تم شکر کرو۔

اور جس طرح نماز اللہ کی تمام ظاہری و باطنی نعمتوں پر ایک عام شکر ہے، اسی طرح قربانی بھی محض منافع دنیاوی کا شکر نہیں ہے بلکہ عمومی شکر کا وہی پہلو اس میں بھی ملحوظ ہے جو نماز میں ملحوظ ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ — تاکہ تم کو جو ہدایت بخشی ہے اس پر
(سورۂ حج۔ ۳۷) — اللہ کی بڑائی کرو۔

۷۔ یہ دونوں تقویٰ کی فرع ہیں۔ یہ قاعدہ ہے کہ جس سے آدمی کی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں، یا جس سے وہ ڈرتا ہے اس کو برابر یاد رکھتا ہے، نماز اسی ذکر کے قائم رکھنے کے لیے ہے۔ چونکہ بندہ کو خدا کی رضا مطلوب ہوتی ہے اور وہ اس کے غضب سے ڈرتا ہے، اس وجہ سے وہ اس کے سامنے روتا اور گڑگڑاتا ہے۔ آیت ذیل میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔

اور یہ کہ نماز قائم کرو، اور اس سے ڈرو، اور وہی ہے جس کے پاس تم جمع کیے جاؤ گے۔ (سورہ انعام-۷۲)

اب قربانی کو دیکھیے۔ اللہ تعالیٰ نے چوپایوں پر انسان کو جو غلبہ اور تسلط دیا ہے اس میں ایک قسم کی آقائی اور بندگی کی نمود ہے۔ اس وجہ سے ضروری ہوا کہ اظہار خشوع اور اقرار بندگی کے ذریعہ سے اس غرور کو مٹا دیا جائے اور قربانی کے وقت بندہ کی زبان پر شکر نعمت اور اقرار عبدیت کے ایسے الفاظ جاری کیے جائیں جن سے خدا کی ملکیت اور پروردگاری اور اس کی وحدت و یکتائی کا اظہار ہو۔

غور کیجیے ان تمام باتوں میں تقویٰ کی کس قدر جلوہ گری ہے۔ چنانچہ تقویٰ ہی چونکہ ان تمام حقائق کا جامع تھا۔ اس وجہ سے وہی قربانی کی حقیقت قرار پایا۔ بندہ تقویٰ ہی کی راہ سے قرب الٰہی کے مرتبہ کو پہنچتا ہے۔ اس وجہ سے کوئی قربانی اس وقت تک قبول نہیں ہوتی، جب تک اس میں تقویٰ نہ ہو۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۔ (سورہ مائدہ-۲۷)

اللہ صرف متقین کی قربانی قبول کرتا ہے۔

سورہ بقرہ میں ہے:

فَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى۔ (سورہ بقرہ-۱۹۷)

اور تقویٰ کا زاد راہ لو۔ کیونکہ بہترین زاد راہ تقویٰ ہی ہے۔

تقویٰ کو زاد راہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، کیونکہ یہی چیز قرب الٰہی کی منزلوں

تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ یہ تقریب دراصل تقرب کے لیے ہے، جیسا کہ گیارہویں سبب میں ہم لکھیں گے، اس وجہ سے اس میں تقویٰ کا زاد راہ ناگزیر ہوا۔

۸۔ یہ دونوں منازل آخرت میں سے ہیں۔ کیونکہ نماز رجوع الی اللہ اور حشر میں پروردگار کے حضور ہمارے کھڑے ہونے کی تصویر ہے۔ اسی وجہ سے اس میں معاد کی ایک جھلک پائی جاتی ہے، گویا بندہ جس وقت نماز میں کھڑا ہوتا ہے اس وقت وہ خدا کے سامنے اپنی حاضری کے دن کو یاد کر رہا ہوتا ہے۔ یہ اشارہ مندرجہ ذیل آیت سے نکلتا ہے:

اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ (سورہ بقرہ-۴۵-۴۶)

بے شک وہ (نماز) گراں ہے، مگر ان خوف رکھنے والوں پر جن کو گمان ہے کہ ان کو اپنے رب سے ملنا ہے اور ایک دن وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

جن لوگوں کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ ایک دن خدا کی طرف لوٹنا اور اپنے تمام اعمال و اقوال کی جواب دہی کرنی ہے، وہ تمام غفلتوں اور گناہوں سے تائب ہو کر لازماً اللہ کی طرف جھک جاتے ہیں، اور جو خشیت اور پستی خدا کے سامنے آخرت میں ان پر طاری ہونے والی ہے، اس کا عکس دنیا ہی میں ان پر نظر آنے لگتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات پر غور کریں:

قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ۔ (نازعات ۸-۹)

دل اس دن مضطرب ہوں گے اور نگاہیں پست ہوں گی۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ (مومنون ۱-۲)

ان ایمان والوں نے فلاح پائی جو اپنی نمازوں میں سرنگندہ ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ

ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اور نماز

وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ۔
(سورۂ نور ـ ۳۷)

قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی، وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گے۔

یہ آیت بھی اسی کے مشابہ ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی۔
(سورۂ علق ۶ تا ۱۰)

بے شک انسان سرکشی کرتا ہے اس وجہ سے کہ وہ اپنے کو مستغنی دیکھتا ہے۔ بے شک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے (یعنی جس کو خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے وہ کیسے بے پروا ہوتا ہے) تم نے اس کو دیکھا! جو ایک بندہ کو روکتا ہے جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے۔

قرآن مجید میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ خدا حشر کے دن، جب ہم کو پکارے گا تو ہم اس کی حمد پڑھتے ہوئے قبروں سے نکل کر اس کی طرف بھاگیں گے۔

یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا۔
(سورہ اسراء ۵۲)

جس دن وہ تم کو پکارے گا تو تم اس کی حمد پڑھتے ہوئے اس کی طرف دوڑو گے، اور خیال کرو گے کہ تم بہت کم ٹھیرے۔

اسی طرح نمازی نماز کی پکار کی طرف لپکتے ہیں اور صف بستہ ہو کر خدا کی حمد کرتے ہیں۔

بعینہٖ یہی حقیقت قربانی میں بھی جلوہ گر ہے۔ وہ بھی نماز کی طرح رجوع الی اللہ ہے، جیسا کہ دوسرے اور تیسرے سبب کے بیان میں مذکور ہو چکا ہے۔ یہاں اس پر ہم ایک دوسرے پہلو سے نظر ڈالیں گے۔

جس طرح چوپایوں کو خدا نے ہمارے لیے مسخر کیا ہے، اسی طرح ہمارے جسموں

کو بھی ہمارے لیے مسخر کیا ہے تاکہ ایک معین مدت تک کے لیے ہم ان کو اپنا مرکب بنائیں اور ان سے اپنے کاموں میں مدد لیں اور پھر ان کو خدا کے حوالہ کر دیں۔ چوپایوں کے بارہ میں فرمایا ہے:

لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ۔
(سورہ حج ـ ۳۳)

تمہارے لیے ایک متعین مدت تک کے لیے ان میں منفعتیں ہیں، پھر ان کو خدا کے قدیم گھر کی طرف لے جانا ہے۔

جس طرح قربانی کے جانوروں کو ہم بیت اللہ کی طرف لے جاتے ہیں، اسی طرح اپنے اجسام کو بھی لے جاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے:

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔
(سورہ حج ـ ۲۷)

اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، کہ آویں تمہارے پاس پیادہ پا اور لاغر اونٹوں پر جو آئیں گے گہرے راستوں سے۔

دیکھیے! ہمارے جسموں اور ہمارے چوپایوں کے لیے سمت سفر ایک ہی معین ہوئی اور یہ اشتراک ہر چیز میں نمایاں ہے۔ جس طرح قربانی کے جانوروں کا ہم احترام کرتے ہیں اور ان کے لیے ایک مخصوص شعار قرار دیتے ہیں، بعینہٖ وہی معاملہ ہم اپنے جسموں کے ساتھ کرتے ہیں۔ بس اتنا فرق ہے کہ ہم جانوروں کی طرح اپنے جسموں کو ذبح نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت اسمٰعیلؑ کی جان اس چیز کے عوض چھڑا لی گئی، جو ان کی قائم مقام بن کر قربان ہوئی۔ اسی طرح ہم جانوروں کے فدیہ کے عوض اپنی جانوں کو چھڑا لیتے ہیں۔ لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیم خلیلؑ کا ہدیہ ایک دوسری شکل میں قبول فرمایا کہ حضرت اسمٰعیلؑ کو اپنے گھر کی خدمت کے لیے مخصوص فرمایا، اسی طرح ہم بھی اپنی جانوں کو فدیہ دے کر چھڑا تو لیتے ہیں لیکن وہ ہم کو واپس نہیں کر دی جاتی ہیں، بلکہ وہ ہماری امانت میں دے دی جاتی ہیں تاکہ جب ضرورت پیش آئے ہم اللہ کی راہ میں ان کو قربان کر سکیں۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے:

إِنَّ اللهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔

(سورۂ توبہ — ۱۱۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کی جانیں اور ان کا مال جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، پس قتل کرتے ہیں اور شہید ہوتے ہیں۔ یہ ایک سچا اور پکا عہد ہے اور توراۃ، انجیل، قرآن سب میں مذکور ہے۔ جنھوں نے اللہ سے اپنے عہد کو پورا کیا، ان کے لیے ہمارا پیام یہ ہے کہ اپنے اس معاملہ کے سبب سے جو تم نے کیا ہے خوشخبری حاصل کرو۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

پیروی اسلام کا عہد کر لینے کے بعد ہم خدا کے ہاتھ بک جاتے ہیں، اور اسی عہد کی تجدید کے لیے ہم اس کے آستانہ پر حاضر ہوتے ہیں اور حجر اسود کو ہاتھ لگا کر اس عہد کو از سر نو تازہ کرتے ہیں۔ یہ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے عہد کی ہماری طرف سے توثیق اور اللہ کی راہ میں قربان ہونے کے لیے ہماری طرف سے اقرار ہوتا ہے۔

پھر حج کا اجتماع میدان حشر میں ہمارے کھڑے ہونے کی بھی تصویر ہے۔ اس پہلو سے نماز، حج اور قربانی، ان تینوں کو معاد سے نہایت قریبی نسبت ہوئی۔

۹۔ یہ دونوں ابواب صبر میں سے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جو بندہ اللہ کے وعدہ پر پورا بھروسہ کر کے نماز کی پابندی کرتا ہے، اس کی مثال اس درخت لگانے والے کی ہے، جو شب و روز اپنے لگائے ہوئے پودے کی نگہداشت کرتا ہے، اس کی خدمت کرتا ہے، اس کو پانی دیتا ہے اور اس کے پھل لانے کا منتظر ہے اور دوسروں کی غفلت و سرمستی اس کی اس سرگرمی و خود فراموشی میں کوئی کمزوری نہیں پیدا کرتی۔ لوگ اس کی امید موہوم پر ہنستے ہیں لیکن وہ خدا کی شکر گزاری اور اطاعت کے جس جادۂ مستقیم پر چل رہا

ہے برابر اس پر سرگرم سفر ہے اور لوگوں کے ہنسنے اور مذاق اڑانے سے اس کی ہمت پست نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے یہ باتیں اس وقت تک نہیں ہو سکتیں جب تک آدمی میں ارادہ کی غیر معمولی پختگی اور انجام کار کی کامیابی کا غیر متزلزل یقین نہ ہو۔ چنانچہ اسی وجہ سے قرآن مجید نے صبر اور نماز کو متعدد آیات میں ایک ساتھ ذکر کیا ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ — اور صبر و نماز کے ذریعہ مدد چاہو۔

اوپر ہم نے جن باتوں کا ذکر کیا ہے، مندرجہ ذیل آیت میں ان کی طرف نہایت واضح اشارات ہیں:

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَاۤئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى ○ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۔

(سورۂ طٰہٰ — ۱۳۰ تا ۱۳۲)

پس ان کی باتوں پر صبر کرو، اور اپنے رب کی حمد پڑھو، سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے اور رات کے وقتوں میں اس کی تسبیح پڑھو، اور دن کے اطراف میں تاکہ تم نہال ہو جاؤ۔ اور تم نہ دیکھو اس زینت دنیا کی طرف جو ہم نے ان کی بعض جماعتوں کو دے رکھی ہے، تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے ان کا امتحان لیں۔ تمھارے رب کی روزی زیادہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے، اور اپنے اہل کو نماز کا حکم دو اور اس پر ثابت قدم رہو، ہم تم سے روزی نہیں مانگتے، ہم تم کو روزی دیں گے اور انجام کار کی کامیابی تقویٰ کے لیے ہے۔

دوسری جگہ ہے:

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ	اور جو اپنے رب کی رضا کی طلب
وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا	میں ثابت قدم رہے اور نماز
الصَّلٰوةَ۔ (سورہ رعد۔۲۲)	قائم کی۔

نیز فرمایا:

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ	پس ثابت قدم رہو، بے شک اللہ
حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ	کا وعدہ حق ہے اور اپنے گناہ کی
سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ	مغفرت چاہو، اور صبح و شام اپنے
وَالْاِبْكَارِ اِنَّ الَّذِيْنَ	رب کی حمد کی تسبیح پڑھو، بے شک جو
يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ	لوگ اللہ کی آیات کے بارہ میں بغیر
سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ اِنْ فِيْ	کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو،
صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ	جھگڑتے ہیں ان کے سینوں میں محض
بِبَالِغِيْهِ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ	ایک گھمنڈ ہے جو پورا نہ ہوگا، پس
اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔	اللہ کی پناہ ڈھونڈو، وہ سننے والا
(سورہ مومن ۵۵۔۵۶)	اور دیکھنے والا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اللہ کے عہد پر قائم رہنا، اس پر پورا بھروسہ کرنا، اس کی راہ میں مصائب جھیلنا اور انجام کار کی کامیابی کا منتظر رہنا کتنی کٹھن راہ ہے اور اس میں ہر قدم پر صبر و ثبات کی کتنی ضرورت پیش آتی ہے۔

یہی حال قربانی کا بھی ہے۔ یہ اس عظیم الشان صبر کی تعلیم پر مبنی ہے جس کا نمونہ ابراہیم خلیلؑ نے پیش کیا۔ بڑھاپے تک خدا نے ان کو کوئی اولاد نہیں بخشی، لیکن جب بخشی اور ایسی اولاد بخشی جس کے حسن باطن اور حسن ظاہر نے ان کو اپنا گرویدہ بنا لیا، تو اسی اولاد کو خدا نے اپنی راہ میں قربان کرنے کا حکم دے دیا۔ غور کیجیے، کتنا کٹھن امتحان تھا! لیکن حضرت ابراہیمؑ کے پائے ثبات کو ذرا بھی لغزش نہیں ہوئی، بلکہ وہ خدا کے شکر گزار ہوئے کہ اس نے ان سے وہ چیز مانگی جو ان کو تمام دنیا میں سب سے زیادہ عزیز و محبوب تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز پر ہمارا صبر، اسی طرح کا صبر ہے جس طرح کا صبر ہم مصائب کو برداشت کرتے وقت کرتے ہیں۔ نماز اور خدا کی جانی و مالی آزمائشوں کے وقت صبر میں جو تعلق ہے اس کو آیت ذیل بے نقاب کر رہی ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا	اے ایمان والو! صبر اور نماز کے
بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ	ذریعے سے مدد چاہو، بے شک اللہ
مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا	ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ
لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	ہے، اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل
اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ	ہوتے ہیں، ان کو مُردہ نہ کہو بلکہ وہ
لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ	زندہ ہیں، لیکن تم محسوس نہیں کرتے۔
بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ	ہم تم کو کسی قدر خوف، قحط اور مال،
وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ	اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے۔
وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ	اور ثابت قدموں کو بشارت دو جن کا
الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ	حال یہ ہے کہ جب ان کو کوئی مصیبت
قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ	پہنچتی ہے کہتے ہیں: ہم اللہ ہی کے
رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ	لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے
صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ	ہیں۔ وہی لوگ ہیں جن پر ان کے
وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝	رب کی طرف سے برکتیں اور رحمت
اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ	ہے اور وہی لوگ راہ یاب ہیں۔
شَعَائِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ	بے شک صفا اور مروہ اللہ کے
الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا	شعائر میں سے ہیں۔ پس جو بیت اللہ
جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ	کا حج یا عمرہ کرے، کچھ مضائقہ نہیں
بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا	کہ ان کا طواف کرے اور جس نے
فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ۔	اپنی خوشی سے نیکی کی تو اللہ قبول

کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ (سورہ بقرہ ۱۵۲-۱۵۸)

اس آیت میں مروہ کا بھی تذکرہ ہے اور ہم اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں مفصل لکھ چکے ہیں کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کی قربانی کی تھی۔ غور کیجیے اس آیت میں نماز، صبر، جہاد، مصائب اور مقام قربانی کا تذکرہ ایک ساتھ ہوا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس وجہ سے کہ ایک جامع حقیقت نے ان سب کا رشتہ ایک ساتھ جوڑ دیا ہے۔

۱۰۔ ان دونوں میں اس امر کا اقرار و اعتراف ہے کہ ہر چیز خدا ہی کی ملکیت ہے، اور تمام نعمتیں اسی کی بخشی ہوئی ہیں۔ نماز میں تو یہ حقیقت بالکل ظاہر ہی ہے اس کی بنیاد ہی شکر اور اقرار ربوبیت پر ہے۔ غور کرنے سے یہی بات قربانی میں بھی معلوم ہوتی ہے، یہ بھی زبانِ حال سے گویا اسی حقیقت کا اظہار ہے۔ ہم قربانی کرکے گویا اقرار کرتے ہیں کہ ہر چیز خدا ہی کی ملکیت ہے، تمام نعمتیں اسی کی بخشی ہوئی ہیں۔ ہماری جانیں اور ہمارے مال سب اللہ کے خزانۂ جود و فیض ہی سے ہم کو نصیب ہوئے، اس وجہ سے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کو خدا ہی کے حوالہ کریں اور اسی کی اطاعت و بندگی کی راہ میں ان کو استعمال کریں۔ یہ ہم کو اسی لیے بخشے گئے ہیں کہ ہم اس کے فضل و احسان کا شکر ادا کریں اور جہاں اس کی مرضی ہو وہاں ان کو قربان کردیں، اس کا کوئی ساجھی نہیں ہے، اس وجہ سے ہم صرف اسی کی بندگی کرتے ہیں اور اسی کے حضور سجدہ کرتے ہیں اور جو کچھ اس کا بخشا ہوا ہے اسی کے دربار میں پیش کرتے ہیں۔ وہی پیدا کرنے والا اور وہی بخشنے والا ہے۔ اسی نے ہماری زبانوں پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کا اقرار جاری کیا۔ یعنی ہم اور ہماری تمام ملکیت خدا ہی کے لیے ہیں۔ حکومت اور احسان صرف اسی کی صفت ہے، ہمارے لیے صرف اطاعت اور شکر گزاری ہے۔ جس طرح ملکیت صرف مالک کی طرف لوٹتی ہے، اسی طرح ہم کو بالآخر خدا ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے لیے کسی چیز سے بھی یہاں تک کہ اپنے نفس سے بھی متمتع ہونا اس وقت تک جائز نہیں ہے، جب تک ہم اس کا نام لے کر، اس کی بخشش کا اقرار نہ کرلیں۔ اسی چیز کی تعلیم کے لیے اس نے ہمارے لیے قربانی کا فریضہ ٹھہرایا، تاکہ جو انعام

و بہائم اس نے ہمارے لیے مسخر کیے ہیں ہم ان کو اس کے نام پر قربان کریں۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ۔ (سورۂ حج-۳۴)

اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی قرار دی تاکہ جو چوپائے ان کو روزی کیے ہیں، ان کو اللہ کے نام پر قربان کریں۔

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ۔ سورۂ حج-۳۷)

اسی طرح خدا نے ان کو تمہارے لیے مسخر کیا ہے تاکہ اس نے تم کو جو ہدایت بخشی ہے اس پر اس کی بڑائی کرو۔

حیوانات پر انسان کو خدا نے جو اختیار و تصرف بخشا ہے اس میں، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، آقائی اور بندگی کی شان پیدا ہو گئی ہے۔ اس وجہ سے ان کو ذبح کرتے وقت خدا کا نام لینا ضروری کردیا ہے۔ اسی طرح زمین کی پیداوار میں بھی اس نے اپنا ایک حق رکھا ہے تاکہ ہم یہ بات بھول نہ جائیں کہ یہ خدا ہی کی بخشش سے ہم کو ملی ہے:

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ۔ (انعام-۱۴۱)

اور جب پھل آئے تو ان کا پھل کھاؤ اور کاٹنے کے وقت اس کا حق دو۔

چونکہ ہمارے قبضہ میں جو کچھ ہے سب خدا ہی کی ملکیت ہے، اس وجہ سے اسراف ناجائز ہوا، اور چونکہ حضرت ابراہیمؑ نے خدا کی مالکیت کی سب سے بڑی شہادت دی، یہاں تک کہ اپنی جان اور اپنے محبوب لختِ جگر کو بھی اس کی راہ میں پیش کردیا، اس وجہ سے قربانی کے بیان کے لیے انہی کا نمونہ مثال قرار دیا گیا کیونکہ خدا کی امانت خدا کے حوالہ کرنے کی اس سے بڑھ کر کوئی اور مثال نہیں تھی۔

۱۱۔ یہ دونوں تقربِ الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے۔ نماز کی سب سے زیادہ نمایاں حقیقت: توجہ الی اللہ ہے۔ جو شخص نماز میں ہے وہ گویا اپنے رب کے حضور کھڑا ہے اور اس سے مناجات و گفتگو کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دہنے بائیں کسی طرف بھی متوجہ نہیں ہوتا۔ اس پہلو سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ نماز نہ صرف ذریعہ تقرب بلکہ عین تقرب ہے۔ یہ آیت اس کی دلیل ہے "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" (اور سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ) اس لیے

نماز رأس العبادات قرار پائی۔ میرے خیال میں عربی میں صلوٰۃ کا اصلی مفہوم بھی قربت قریبہ ہی کا ہے۔ اس کے معنی ہیں کسی چیز کی طرف بڑھنا اور اس میں داخل ہوجانا، اسی لیے گھوڑ دوڑ کے اس گھوڑے کو جو اگلے گھوڑے کے بعد ہو مصلی کہتے ہیں۔ جو شخص آگ کے پاس نہایت قریب ہو کر تاپ رہا ہو، اس کو صالی کہتے ہیں۔ یہی لفظ اس شخص کے لیے بھی استعمال کیا جائے گا جو آگ میں گھس جائے۔

بعینہٖ یہی حقیقت قربانی میں بھی مضمر ہے۔ قربانی کرنے والا اپنی قربانی ایسی جگہ لاتا ہے، جو اس کے خیال میں خدا کی طرف سے اس عبادت کے لیے مخصوص اور مقدس ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے قربانی کے لیے ایک مخصوص و متعین جگہ قرار پائی۔ یہود کے یہاں بیت المقدس کے سوا کسی دوسری جگہ قربانی جائز نہیں۔ لیکن مسلمانوں کے لیے جس طرح تمام روئے زمین کو مسجد ہونے کا شرف حاصل ہوا، اسی طرح قربانی بھی ان کے لیے ہر جگہ جائز ہوئی۔ تاہم جس طرح مسجد کی نماز کو فضیلت حاصل ہے اسی طرح قربان گاہ پر قربانی کرنا بھی افضل ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ متعین فرمائی تھی۔ یہی جگہ ہمارے لیے بھی مخصوص ہوئی۔ چنانچہ جس طرح ہم ان کی تعمیر کی ہوئی مسجد کے لیے سفر کرتے ہیں، اسی طرح اپنے قربانی کے جانوروں کو بھی ان کی قربان گاہ پر لے جاتے ہیں۔ ان باتوں کا مقصد ہمارے دل میں یہ اعتقاد راسخ کرنا ہے کہ ہماری حیثیت خدا کے غلاموں اور چاکروں کی ہے جو لبیک کہتے ہوئے آقا کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے اور اپنی بندگی کے اقرار کے لیے اپنی قربانیاں اس کے حضور میں پیش کرتے ہیں۔ پس جس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر صلوٰۃ کو صلوٰۃ کہا گیا ہے، اسی حقیقت کی رعایت سے قربانی کے لیے قربانی کا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: استشرفوا ضحایاکم فانها علی الصراط مطایاکم۔

قربانی اور جہاد

قربانی میں چوپایوں کا ذبح کرنا (جیسے کہ پہلے گذرا) درحقیقت ذبح نفس کی علامت

ہے۔ گویا ایک چوپایہ کے عوض ہم اپنی جان چھڑا لیتے ہیں۔ بعینہٖ یہی حقیقت جہاد کی بھی ہے یعنی جان کو قربان کر کے اس کو جہنم کی آگ سے بچا لینا۔ پھر حج کے تمام آداب و مناسک میں بالکل جہاد کی حقیقت جلوہ گر ہے۔ یہ روز کا کوچ اور قیام اور عجلت کی نمازیں کیا ہیں؟ ہر حج کرنے والا پورے یقین کے ساتھ محسوس کرتا ہے کہ یہ مرحلے کسی قائد ہی کی قیادت کے مقتضی ہیں۔ منازل پر حجاج کی حالت علانیہ فوجی نظم کی ضرورت کا یقین دلاتی ہے۔

مسلمان حج میں اپنے ارادۂ جہاد کی تصحیح کرتا ہے اور اس کی مشقتوں کو برداشت کر کے گویا اس امر کا اعتراف و اعلان کرتا ہے کہ ضرورت کے وقت وہ خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے کے لیے بالکل سر بکف ہے۔

حقیقت جہاد

ہمارے قدیم مفسرین کا خیال یہ تھا کہ آیت سیف[1] نے موعظت و نصیحت اور کفار و مشرکین کے لیے رخصت و رعایت کی بہت سی آیتوں کو منسوخ کر دیا۔ ہمارے زمانہ کے متکلمین کی ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ آیت سیف نے منسوخ تو نہیں کیا ہے لیکن اسلام میں جہاد صرف دفاع کے لیے ہے۔ ان کے خیال میں عہد نبوت میں جو غزوات ہوئے ان سب کی نوعیت دفاعی ہے اور بعد میں خلفاء اور صحابہ نے جو لڑائیاں لڑیں وہ تمام تر ملوکانہ جنگیں تھیں۔ ان کو جہاد فی سبیل اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

میرے نزدیک یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اصل حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔

---

[1] آیت سیف سے مراد سورہ توبہ کی یہ آیت ہے:

فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ۔ (الآیۃ - ۵)	جب احترام کے مہینے گذر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں کہیں تم ان کو پاؤ، اور ان کو پکڑو اور ان کو گھیرو اور ان کے لیے ہر جگہ گھات میں بیٹھو۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وعدہ کی تکمیل کے لیے بھیجا تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا اور آپؐ کو اس ذمہ داری کا وارث بنایا تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس آیت کے بموجب ڈالی گئی تھی:

أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ	یہ کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں
وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ۔	اور رکوع وسجود کرنے والوں کے
(سورۂ بقرہ - ۱۲۵)	لیے پاک رکھو۔

نیز آپؐ خاتم النبیین کی حیثیت سے مبعوث ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کرنے والا تھا۔ اس مقصد کے لیے آپ کو حکم ہوا کہ لوگوں کو وعظ وتلقین فرمائیں کہ لوگ آپ کی باتوں کو سنیں اور مانیں اور اپنے حالات کی اصلاح کریں۔ آپؐ کو قتال کی اجازت اس وقت تک نہیں دی گئی جب تک لوگوں پر اللہ کی حجت تمام نہیں ہو گئی اور تبلیغ کا فرض اچھی طرح ادا نہیں ہو گیا۔ جب فرض تبلیغ اچھی طرح ادا ہو چکا تب آپؐ کو حکم ہوا کہ آپ خانۂ کعبہ کو مشرکین کے قبضہ سے آزاد کرائیں اور عہد ابراہیمی کے بموجب دین حنیفی کو اس سرزمین پر از سر نو تازہ کریں، اور اگر ضرورت پیش آئے تو اس کے لیے قوت کو بھی استعمال کریں۔ قوت کے استعمال کی یہ اجازت بھی آپؐ کو ہجرت کے بعد دی گئی۔ "ہجرت کے بعد" اس لیے کہ ہجرت سے پہلے جہاد، سوائے اس کے جو حفاظت نفس کے لیے ہو، سرتاسر ظلم وفساد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قتال محض دفاع کے لیے نہیں واجب ہوا بلکہ کعبہ کو فتح کرنے اور بنی اسمٰعیل کے اندر دین حنیفی کو از سر نو قائم کرنے کے لیے ہوا۔

باقی رہے غیر بنی اسمٰعیل تو ان کے ساتھ جہاد کا حکم اس لیے دیا گیا کہ ان کو عدل وقسط پر قائم کیا جائے اور زمین کو فساد سے پاک کیا جائے۔ لیکن جہاد کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ رفع فساد کی خاطر جو لوگ جہاد کے لیے اٹھیں، ان کے لیے سب سے مقدم خود اپنے آپ کو شائبۂ فساد سے پاک کرنا ہے۔ جب تک خلیفہ اور اس کے متبعین خود عدل پر قائم نہ ہوں اس وقت تک ان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ عدل قائم کرنے کے لیے

تلوار لے کر اٹھیں۔

پھر اپنے ملک کے اندر بغیر ہجرت کے جہاد جائز نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگذشت اور ہجرت سے متعلق دوسری آیات سے یہی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد اگر صاحب جمعیت اور صاحب اقتدار امیر کی طرف سے نہ ہو تو وہ محض شورش وبدامنی اور فتنہ وفساد ہے۔

پھر قتال کی اجازت حصول قوت کے بعد دی گئی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی سرگذشت میں اس کی دلیل موجود ہے۔ انھوں نے فرمایا:

وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ	اگر ایک جماعت تم میں سے اس چیز
مِّنكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي	پر ایمان لائی ہے جس کو دے کر میں
أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ	بھیجا گیا ہوں، اور دوسری جماعت
لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ	ایمان نہیں لائی ہے تو صبر کرو یہاں تک
يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا۔	کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ
(سورہ اعراف - ۸۷)	کر دے۔

مذکورہ بالا تین شرطوں کے ساتھ جہاد قیامت تک کے لیے واجب ہے۔ دین کے معاملہ میں جبر اور شورش وبدامنی جائز نہیں ہے لیکن حق کی شہادت اور تبلیغ اور مجادلۂ احسن ہمیشہ ضروری ہے۔